# فضائلِ علمِ میراث

مفسرِ اعظم پاکستان، شیخ الحدیث والقرآن، پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت

مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی نور اللہ مرقدہٗ


www.FaizAhmedOwaisi.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ

ویسے تو دورِ حاضر میں اِسلامی علوم وفنون سے بے حد بے اِعتنائی (بے پروائی) ہورہی ہے۔"علمُ المیراث" تو خُصوصاً بے اِعتنائی کی زد میں ہے۔اس کی حفاظت عوام کا کام تو ہے نہیں، یہ علماءِ کرام کے ذِمہ کرم پر ہے۔

فقیر نے عوام کے لئے عموماً، خوّاص علماء ومشائخ کے لئے خصوصاً یہ رسالہ تیار کر کے اِشاعت کے لئے فاضل مکرّم علامہ محمد اجمل قادری رضوی کے سپرد کیا ہے۔ مولیٰ عزوجل اسے فقیر اور موصوف کے لئے زادِ راہِ آخرت اور اہلِ اِسلام کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت بنائے۔(آمین)

فقط و السّلام

محمد فیض احمد اُویسی رضوی

بہاولپور، شوّال المکرّم، ١٤٢٦ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

امابعد! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلمنے علماء کے اُٹھ جانے اور جہالت کے غلبہ کی غیبی خبر صدیوں پہلے دی تھی آج اس کی تصدیق ہورہی ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا: علوم میں سب سے پہلے علمُ الفرائض اُٹھے گا[(1)]۔ اس کی تصدیق بھی ہوگئی ہے کہ علماء میں بہت تھوڑے حضرات رہ گئے ہیں جو علمُ المیراث جانتے ہیں اور یہ بھی فرمایا: علم علماء کے اُٹھ جانے سے اُٹھے گا نہ یہ کہ سینوں سے نکال لیا جائے گا[(2)]۔ آپ حضرات سوچ لیں کہ جو اہلِ علم اِس فن کے ماہر ہیں، وہ دنیا سے رخصت ہوگئے تو پھر کیا ہوگا! اسی لئے گزارش ہے کہ معمولی سی محنت کرکے علمُ المیراث کے قواعد وضوابط خود بھی یاد فرمالیں اور اپنی اولاد اور شاگردوں کو بھی یاد کرائیں۔ اس بارے میں فقیر کا رسالہ "خلاصۃُ المیراث" خوب ہے۔

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی

٢٢، شوال المکرام، ١٤٢٦ھ

---

(1) سنن ابن ماجۃ، کتاب الفرائض، باب الۡحَثِّ عَلٰی تَعۡلِیۡمِ الۡفَرَائِضِ، رقم الحدیث ٢٧١٩، الجزء الرابع، الصفحۃ ٢٨٣، دار الجیل بیروت

(2) عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عَمۡرِو بۡنِ الۡعَاصِ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یَقُوۡلُ: إِنَّ اللّٰہَ لَا یَقۡبِضُ الۡعِلۡمَ انۡتِزَاعًا، یَنۡتَزِعُہٗ مِنَ الۡعِبَادِ، وَلٰکِنۡ یَقۡبِضُ الۡعِلۡمَ بِقَبۡضِ الۡعُلَمَاءِ الخ۔ (بمفہومہ) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کَیۡفَ یُقۡبَضُ الۡعِلۡمُ، رقم الحدیث ١٠٠، الصفحۃ ٣٨، دار ابن کثیر دمشق بیروت

# فضائلِ علم المیراث ازقرآن مجید

ویسے تو دورِ حاضر میں اسلامی علوم کو نظرانداز کیا جارہا ہے۔اہلِ علم خود بخود معدوم ہوتے جارہے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ آج مقرّرین، واعظین، مدرّسین و معلّمین ہزاروں ملیں گے، ایسے ہی عربی فرفر بولنے والے ہزاروں اور علمی مہارت اور تدریسی فن کے ماہرین، مدّعیان کی بھی کمی نہیں لیکن علمُ المیراث جاننے والے گنتی کے چند۔

اسی لئے علماءِ کرام کا خصوصاً فرض بنتا ہے کہ وہ اس علم کی ترویج واِشاعت میں زیادہ سے زیادہ جدوجہد فرمائیں اور یہ علم عوام کے سیکھنے کے لئے بھی آسان ہے۔

فقیر چند فضائل یہاں عرض کرتا ہے ممکن ہے کہ کسی کو اس طرف خصوصی توجہ ہو جائے۔

"علم المیراث"اس قدر قابلِ قدر علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خاص طور پر نہایت وضاحت کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی ہے اور ہر ایک وارِث کے حصّے کو جُدا جُدا مقرّر و معیّن (مخصوص) فرمادیا ہے اِسی لئے اس کو فرائض کہتے ہیں کیونکہ فریضہ لغت میں مقرّر شُدہ و طے شُدہ امر کو کہتے ہیں فرائض اس کی جمع ہے اور اس مضمون کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر کہیں مُجمل اور کہیں مُفصَّل بیان فرمایا ہے۔چوتھے پارہ میں خصوصیت سے اس کے متعلق تفصیلی بیان ملاحظہ ہو۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا

ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر، پھر اگر نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر، تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی، تو اس کا آدھا اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے، تو ماں کا تہائی، پھر اگر اس کے کئی بہن بھائی تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دَین کے، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا یہ حصّہ باندھا ہوا ہے اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ

ترجمہ کنزالایمان: اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگران کی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کی اولاد ہو توان کے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمہارے اولاد ہو توان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور دین نکال کر اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ، اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے توان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

ترجمہ کنزالایمان: یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا، اللہ اُسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں، ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ

ترجمہ کنزالایمان اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اسکی کل حدوں سے بڑھ جائے، اللہ اُسے آگ میں داخل کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے خواری (ذلّت) کا عذاب ہے۔ (پارہ نمبر ٤، سورۃ النساء، آیت ١١ تا ١٤)

**فائدہ:** اتنی تفصیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ اس طرز کی تقسیم کی حکمتوں کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے تم لوگ پوری طرح نہیں سمجھ سکتے ہو اور فرمایا کہ جو لوگ ہمارے ان احکام کی تعمیل کریں گے ہم ان کو جنت میں جگہ دیں گے جو اصل مقام حیاتِ جاوید (ہمیشہ کی زندگی) اور فلاحِ اُخروی (آخرت کی کامیابی) کا ہے اور جس کا ہر ایمان دار طلب گار ہے۔

نیز اس تفصیل کے بعد فرمایا کہ ہم یہ صاف و صریح احکام اپنی طرف سے اس لئے مقرر فرماتے ہیں تاکہ تم لوگ گمراہ نہ ہو جاؤ کیونکہ مال و میراث کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لینا بڑا مشکل ہے۔ ہر شخص اپنی طرف کو جھکتا ہے اور اپنے نفع کو مقدّم سمجھتا ہے، پس جب یہ علم اور اس کے بموجب (مطابق) عمل کرنا، حسبِ ارشادِ حق تعالیٰ شانہٗ، باعثِ ہدایت و دخولِ جنت ہے اور اس سے ناواقف رہنے میں گمراہی کا خطرہ لگا ہوا ہے اور اس کے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ دوزخ لکھا ہوا ہے تو اس کے سیکھنے سکھلانے اور عمل کرنے میں جس قدر فضیلت اور جس قدر تاکید ہے وہ اہلِ فہم سے مخفی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحصیل و تعلیم کو عام کرنے کی نہایت تاکید و ترغیب فرمائی ہے جس کی تفصیل آتی ہے۔

## امّت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ربِّ رحمٰن کی رحمت و شفقت:

یہ بھی "علم المیراث" کے فضائل سے میں سے بڑی فضیلت و بزرگی ہے کہ اللہ بے نیاز کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو اتنا عظیم آقا ہو کر گھریلو زندگی کی ناصحانہ طور پر باتیں بتائے اور وہ بھی تفصیل و تشریح کے ساتھ اور یہ صرف اور صرف علمُ المیراث کا خاصّہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل قرآن میں تفصیل و تشریح سے بیان فرمائے، حالانکہ دوسرے احکام و مسائل میں "دریا در کُوزہ" کا معاملہ ہے لیکن علمُ المیراث کی یہ امتیازی شان ہے کہ اُس نے نہایت شفقت سے "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ" کہہ کر احکام کو شروع فرمایا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نہایت خیر خواہی سے تم کو حکم دیتا ہے اور وارثوں میں سے پہلے اس قسم کے وارثوں کو بیان کرنا شروع کیا ہے جو بلاواسطہ غیریت سے علاقہ رکھنے والے ہیں اور پھر ان سب سے پہلے اولاد کا ذکر فرمایا جس سے میت کو سب سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اور اس کو نہایت عزیز رکھتا ہے اور لختِ جگر سمجھتا ہے۔اس کے بعد والدین کے حصّے ذکر فرمائے جو بلاواسطہ میت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اولاد کی بنسبت ان سے محبت کم ہوتی ہے۔ تیسرے نمبر پر شوہر اور زوجہ کا ذکر فرمایا کیونکہ ان سے اگرچہ میت بلاواسطہ غیر علاقہ رکھتا ہے لیکن باہم ایک دوسرے کا جز نہیں ہیں بخلاف اولاد اور والدین کے،اور جب وارثانِ بلاواسطہ کے حصے بیان ہوگئے تو بھائی بہن کے حصوں کو ذکر فرمایا جو میت سے بالواسطہ علاقہ رکھتے ہیں اور خاص ایسے بھائی بہنوں کا ذکر فرمایا جو صرف میت کی ماں میں شریک ہوں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے مشہور صحابی بیمار تھے اور اسی قسم کے بھائی بہنوں کی نسبت سوال کرتے تھے "وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ"[(3)] سے آخر رکوع تک ،حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب میں نازل ہوا ہے اسی نسبت سے بعض روایات میں کامل رکوع اور ابتدائے آیات کا شانِ نزول بھی قصۂ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان کر دیا گیا ہے۔

جب ایسے بھائی بہنوں کا حال معلوم ہو گیا تو لوگوں نے ایسے بھائی بہنوں کا حال پوچھنا شروع کیا جو صرف باپ میں شریک ہوں اور ماں باپ دونوں میں شریک ہوں یعنی حقیقی ہوں،اس کے جواب میں سورۂ نساء کا آخری حکم ایسے بھائی بہنوں کی نسبت بھی نازل ہوا۔چونکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال کے جواب سن کر لوگوں نے اس قسم کے بھائی بہنوں کا سوال کیا تھا اسی تعلق سے بعض روایات میں خاتمہ سورۂ نساء کا شانِ نزول قصۂ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان کیا گیا۔

## احادیث مبارکہ

حدیث نمبر ۱: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ، تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْہُ فَإِنَّہٗ نِصْفُ الْعِلْمِ، وَھُوَ یُنْسٰی، وَھُوَ أَوَّلُ شَیْءٍ یُنْتَزَعُ مِنْ أُمَّتِيْ". (ابن کثیر)[(4)]

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ! علم فرائض خود سیکھو اور اسے دوسرے لوگوں کو سکھاؤ اس لئے کہ وہ نصف علم ہے اور یہی وہ علم ہے جسے بھلا دیا جائے گا اور وہ علم جو سب سے پہلے میری امت سے اُٹھایا جائے گا یہی علم فرائض ہوگا۔

### تحقیق نصف العلوم

علمائے کرام کا اختلاف ہے کہ یہ علم،نصف علم کس طرح ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

1۔ایک جماعت علماء کی تو اس طرف گئی ہے کہ ہم اس کے معنی سمجھیں یا نہ سمجھیں،ہم پر واجب حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک کی تعمیل ہے۔نصف علم حضور اکرم ﷺ نے فرائض کو کیوں فرمایا؟اس کے جاننے کی ہمیں ضرورت نہیں۔بس اس ارشاد مبارک کے مطابق اس علم کو سیکھنا اور سکھانا چاہیے۔

---

(3) ترجمہ کنزالایمان: اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے۔

(4) تفسیر القران العظیم (تفسیر ابن کثیر)، سورۃ النساء، آیت ۱۱، الجزء الثانی، الصفحۃ ۲۲۴، دار طیبۃ الریاض

2۔ایک جماعت نے کہا کہ حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا بیشک ہم پر اس کی تعمیل ضروری ہے مگر ساتھ ساتھ ہمیں اس کو سمجھنا بھی چاہیے۔ کیوں کہ ارشادِ مبارک معقولُ المعنیٰ[5] ہے لہذا اس کے بارے میں اس جماعتِ علماء کے دس اقوال ہیں

(۱)"امام بیہقی"فرماتے ہیں کہ عمومِ بلویٰ[6] کی وجہ سے نصف علم اس کو فرمایا۔[7]

(۲)"نہایہ" میں ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں۔'حالتِ حیات'اور'حالتِ موت'تو نصف علم کا تعلق حالت حیات سے ہے اور نصف علم کا تعلق بعد الموت سے،(تو جس علم کا تعلق موت کے بعد کی زندگی سے ہے)وہ علم الفرائض ہے۔[8]

(۳)ملک کے اسباب دو قسم کے ہیں۔

(الف)اختیاری، جیسے خرید و فروخت، قبولِ ہدیہ، وصیّت وغیرہ۔

(ب)ضروری، یہ اِرث ہے اس لئے کہ لینا چاہیے یا نہیں۔ مورِث کے مرنے کے بعد کل ترکہ بعد ادائے حقوق، سب وارثوں کا حسبِ سہام شرعی[9] ہے۔

(٤)"ابتہاج"میں کہا گیا کہ اس کی بڑائی اور تعظیم کے لئے اس کو نصف علم فرمایا۔

(٥)صاحبِ" اغاثۃُ اللّھاج" کا قول ہے چونکہ فرائض کے شعبے بہت ہیں اور اس میں حساب کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اسے نصف علم فرمایا۔

(٦)زیادتیٔ مشقّت کی وجہ سے اس کو نصف علم فرمایا۔

(٧)صاحبِ" ضوء"نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں

ایک وہ علم ہے جس کی وجہ سے اسبابِ ارث کی معرفت ہوتی ہے۔

دوسرا وہ علم جس کی وجہ سے جو واجب ہوتا ہے، معلوم کیا جاتا ہے اور وہ یہی علم فرائض ہے۔

(٨)نصف علم باعتبار ثواب فرمایا، اس لئے کہ انسان فقہ کے ایک مسئلہ سمجھنے پر دس نیکی کا مستحق ہوتا ہے اور فرائض کے ایک مسئلہ پر سو نیکی کا حقدار ہوتا ہے تو اگر تمامی فرائض کو دس مسئلے اور تمامی فقہ کو سو مسئلے پر فرض کریں تو دونوں کی نیکیاں ہزار ہزار ہوں گی تو فرائض باعتبار ثواب پورے فقہ کے برابر ہوا جیسا کہ گزرا۔

(٩)صاحبِ "شرح سراجیہ"فرماتے ہیں نصف علم فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر فرائض کو مسائل کو پھیلایا جائے تو اس کے فروع و جزئیات تمام علوم کی جزئیات کے برابر ہوں گے۔

---

(5)اس کا معنیٰ سمجھ میں آنے والا ہے۔

(6)عموم بلویٰ کا مطلب ہے ایسا ابتلاء عام جس سے بچنا دشوار اور مشکل ہو جیسے اس کپڑے سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے جس پر چوتھائی کپڑے سے کم میں نجاست خفیفہ لگی ہو یا بقدر درہم نجاست غلیظ لگی ہو، یا جیسے معذور کے جسم سے برابر نجاست خارج ہو رہی ہے۔ جب بھی وہ کپڑا دھوئے نجاست نکل کر پھر لگ جائے اسے اس کپڑے میں نماز کی اجازت ہے۔

(7)السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي، كتاب الفرائض، باب الْحَثِّ عَلَى تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ، الجزء السادس، الصفحة٢٠٩، مطبع دائرة المعارف حيدرآباد الدكن الهند

(8)نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، كِتَابُ الْفَرَائِضِ

(9)شرعی حصّوں کے مطابق ہے

(۱۰) نصف علم اس لئے فرمایا کہ طلبہ کو اس علم کے سیکھنے کی ترغیب ہو۔

یہ دس اقوال صاحبِ "كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون"[10] نے بیان فرمائے ہیں۔

**فائدہ:** اس کے نصف علوم ہونے کی فقیر کے نزدیک یہ وجہ ہے کہ چونکہ اس علم کی تعلیم و تعلم میں استاذ و شاگرد دونوں کو بڑی محنت و مشقت ہوتی ہے اسی لئے اسے مجاہدہ تعبّدی کی حیثیت سے دوسرے جملہ علوم پر فوقیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے فرمایا کہ علمِ میراث کے ایک مسئلہ بتلانے پر دوسرے قسم کے سو مسائل کے برابر ثواب ملتا ہے اور مولانا عبدالعلیم ملتانی نے لکھا ہے کہ اس علم شریف کے ایک مسئلہ کا ثواب اگر اہلِ اموات کو بخشا جائے تو اس کا ثواب قیامت تک ان میں تقسیم ہوتا رہے گا۔

حضرت مولانا عبدالعلیم ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سرائیکی میں یہ اشعار بھی حوالۂ قلم فرمائے ہیں۔

## اشعار سرائیکی

اے صاحبِ گورستان وے سنو گل اسا ڈی — ہک شخص مرگیا چھوڑگیا ہک عورت ہک ڈاڈی

اوندے ترکہ دے حصے کیتے چار — ہک گھِنے عورت ترے گھنے ڈاڈی

اس مسئلے دا ثواب بخشا ارواح تساڈی

یعنی اے گورستان والو! میری ایک بات سنو، ایک شخص مر جائے اور زوجہ اور جدّہ یعنی دادی چھوڑ جائے تو اس کا ترکہ چار حصے ہوگا ایک حصہ عورت کو باقی دادی کو، اس کا ثواب میں نے تمہیں بخشا۔

حدیث نمبر ۲: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فصیح و بلیغ، پر درد، رِقّت آمیز، موثّر وعظ میں فرمایا کہ: اے لوگو! میں تم میں ہمیشہ نہیں رہوں گا۔ فرائض کو سیکھ لو اور (یکے بعد دیگرے) لوگوں کو سکھلاؤ، وہ وقت قریب ہے کہ وحی کا دروازہ بند ہو جائے گا یعنی آپ کی وفات کے بعد وحی اور رسالت و نبوت سب ختم ہو جائے گا اور علم کے معدوم ہونے کا وہ زمانہ آئے گا کہ دو آدمی ضروری مسئلے میں جھگڑتے ہوں گے اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا۔ (احمد، ترمذی، نسائی)۔[11]

## معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مذکورہ بالا ارشاد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا کتنا بڑا ثبوت ہے جسے ہم معجزۂ رسول سے تعبیر کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق آنکھوں سے واضح طور پر نظر آرہی ہے۔ علمائے دین کہلانے والے گھنٹوں لچھے دار تقریر کرنے والے اور فنون درسِ نظامی کے دقائق کو منٹوں میں حل کرنے والے سینکڑوں ملیں گے لیکن مسئلہ میراث جاننے والا کوئی کوئی وہ بھی ایک مدّت کے بعد ختم ہو جائیں گے جیسے ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واضح ہے اور یہ بھی آپ کے علم غیب کا بین ثبوت اور اعلیٰ معجزہ ہے۔

**فائدہ:** اہل علم کو معلوم ہو کہ خطبہ حجۃ الوداع بمنزلہ وصیت کے ہے جیسے دنیا سے رخصت ہونے والا اپنے مرغوب و پسندیدہ بلکہ بعض ضروری امور کی تاکیدِ شدید ورثاء کو کر کے جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارے عقیدہ کے مطابق (قبرِ انور میں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیاتِ حقیقی زندہ موجود ہیں لیکن دنیاوی زندگی

---

(10) كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، باب الفاء، علم الفرائض، الجزء الثاني، الصفحة ۱۲۴۴، دار احياء التراث العربي بيروت

(11) یہ روایت مذکورہ کتب میں الفاظ کی تقدیم وتاخیر نیزان کی کمی، بیشی کے ساتھ موجود ہے مفہوم ایک جیسا ہے جبکہ مسند احمد میں یہ روایت نہیں مل سکی۔ واللہ اعلم بالصواب

السنن الكبرى لِلنسائي كتاب الفرائض، باب الأمر بتعليم الفرائض، رقم الحديث ۶۲۷۲، الجزء السادس، الصفحة ۹۷، مؤسسة الرسالة بيروت

سنن الترمذي، كتاب الفرائض عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في تعليم الفرائض، رقم الحديث ۲۰۹۱، الصفحة ۴۷۱، مكتبة المعارف الرياض

میں جو آپ نے امت کو پیام پہنچایا تھا اس میں سے ایک اس خطبہ کے مضامین بھی ہیں۔اس سے اہلِ فہم خود سوچیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر شفقت کرتے ہوئے گویا آخری وصیت میں نہایت رقت آمیز انداز میں علم میراث کے سیکھنے کی تاکید شدید فرمائی۔اس کے باوجود عوام تو ہیں ہی عوام اگر علماء کرام بھی اس علم کی تحصیل کی کریں تو وہ جانیں اور ان کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم۔

## اقوالِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم

(۱) **حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ:** سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ علم فرائض کو ایسی توجہ اور محنت سے سیکھو جس طرح قرآن مجید کو سیکھتے ہو۔(دارمی)[12]

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم علم میراث سیکھنے اور سکھلانے میں بڑی محنت کرتے اور دوسروں کو اس کی وصیت و نصیحت میں بہت بڑی جدوجہد فرماتے تھے۔

**فائدہ:** علم میراث میں عول[13] کا ضروری اور مفید قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز فرمایا اور تمام صحابہ کے اجماع سے منظور ہوا۔

(۲) **حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:** حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اس کو فرائض بھی سیکھ لینا چاہیے[14] یعنی جس طرح قرآن مجید سیکھنا ضروری ہے ایسے ہی فرائض بھی ضروری ہے۔

(۳) **حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:** حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسا بے چہرہ کا سر ہو۔[15] یعنی بدون (بغیر) فرائض کے علم کے، بے رونق اور بے کار ہے۔

**فائدہ:** اسی طرح جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے بڑے عالمِ فرائض زید بن ثابت تھے اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس فن میں خاص امتیاز رکھتے تھے، فرائض کی مشکلوں کو حل کرتے تھے اور قواعد و مسائلِ فرائض تعلیم فرماتے اور لوگوں کو توجُّہ دلاتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، آئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس فنِّ میراث پر خوب محنتیں کیں، یہاں تک کہ یہ فن باوجود فقہ کے ایک جزو ہونے کے، مستقل فن کہلانے لگا اور اس پر مستقل تصانیف تیار ہونے لگیں۔گیارہویں صدی تک اس پر ستر ۷۰ کتابیں مستقل طور پر تیار ہوئیں۔

## اہلِ اسلام پر میراث کا عظیم احسان:

---

(12) سنن الدارمی، ومن کتاب الفرائض، باب فِي تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ، رقم الحديث ۲۸۵۰، الجزء الثانی، الصفحة ۴۴۱، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی (ملخّصاً)

(13) یہ علمِ میراث کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح کا نام ہے۔

(14) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ : مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ فَلْيَتَعَلَّمِ الْفَرَائِضَ الخ۔

السنن الکبری وفي ذيله الجوهر النقي، کتاب الفرائض، باب الْحَثِّ عَلَى تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ، الجزء السادس، الصفحة ۲۰۹، مطبع دائرة المعارف حيدرا باد الدكن الهند

(15) کافی تلاش کے باوجود اس مفہوم کی حدیث حضرت ابو موسی اشعری کے حوالے سے نہیں ملی

عمر بن الخطاب قال إن مثل من قرأ القرآن ولم يتعلم الفريضة كمثل رجل لبس برنسا لا وجه له

(المصنف لعبد الرزاق، کتاب الجامع، باب الفريضة والنضال، حديث ۲۱۰۰۹، الجزء الحادی عشر، الصفحة ۴۶۱، المكتب الاسلامی بیروت)

ویسے تو اسلام کا ہر شعبہ انسانیت کی معراج ہے لیکن میراث کے شعبہ کا خصوصیّت سے انسانیّت پر عظیم احسان ہے، بالخصوص ضعفاء و کمزور مردوں اور عورتوں پر تو اِتنا بھاری احسان ہے کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں۔ سب کو معلوم ہے شرک و کفر اور ناشائستگی کا زمانہ لوگوں پر گزرا ہے اس کو دورِ جاہلیت کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جہاں اور طرح طرح کی ظالمانہ رسمیں اور جاہلانہ خیالات (مثلاً لڑکیوں کا زندہ درگور کر دینا، غلاموں کے ساتھ سختی اور تشدّد کرنا، ان کو چوپایوں کی مانند ذلیل اور گویا غیر ذی روح جنس سمجھنا، یتیموں کا مال کھانا، طرح طرح کے باطل معبودوں کی پرستش کرنا) شائع اور رائج تھے۔

وہاں ایک پُر ستم طریقہ یہ بھی رائج تھا کہ مرنے والے کا مال صرف وہی مرد لیتے تھے جو پورے مرد، جوان اور میدان جنگ میں جانے کے قابل ہوں، عورتوں اور بچوں اور ضعیفوں کو میراث نہیں ملتی تھی۔ مفلس و بے کس بیوہ اور معصوم و یتیم واجبُ الرّحم لڑکے اور لڑکیاں روتے چلاتے رہ جاتے اور جوان و قوی مالدار چچا اور بھائی آکر آنکھوں کے سامنے سب مال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ ان کی آہ کا سننے والا اور ظالموں کے پنجے سے مال کو نکالنے والا کوئی نہ تھا۔ آخر ان ضعیفوں، مظلوموں کی آہ کا دھواں آسماں کو چیر کر عرش پر پہنچا اور اہل عالم کی حرکات دیکھ کر غیرتِ خداوندی کو جوش آیا، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اسلام کا نور پھیلنا شروع ہوا۔ یتیموں کے مال، عورتوں کے دیگر حقوق، داد و سند (خرید و فروخت) کے معاملات کی بتدریج اصلاح ہو رہی تھی کہ میراث کا نمبر آپہنچا۔

## دورِ جاهلیت میں میراث

دورِ جاہلیت میں میراث صرف تین تعلقات پر چلتی یا پھر اپنی من مانی پر۔ وہ تین تعلقات یہ تھے۔

(۱) نسب (اولاد و آباء و اجداد، اس کے علاوہ عہد و معاہدہ بھی چلتا تھا)۔

(۲) مُتَبَنّٰی بنانا، غیر کو اپنا بیٹا قرار دے کر وارث بنا دینا۔

(۳) مواخات، باہم معاہدہ سے میراث کی تقسیم۔

ان کے علاوہ باقی کئی طریقے دورِ جاہلیت میں مروّج تھے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

**یتامیٰ کا مال هڑپ کرجانا:** مروی ہے کہ قبیلہ بنی غطفان کے ایک مرد کے ہاں یتیم بھتیجے کا بہت سا مال تھا جب وہ یتیم جوان ہوا تو اپنے چچا سے مال کا مطالبہ کیا تو وہ منکر ہو گیا۔ یہ معاملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش ہوا تو یہی آیت نازل ہوئی جب اس کے چچا نے یہی ارشادِ باری تعالیٰ سنا تو کہا ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی فرمانبرداری قبول کرتے ہوئے بہت بڑے گناہ سے پناہ مانگتے ہیں یہ کہہ کر اپنے بھتیجے کو تمام مال واپس لوٹا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نفس کے بخل سے محفوظ ہو کر اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت کرے وہ اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخل ہو گا۔ اس کے بعد جب اس نوجوان نے اپنا مال قبضے میں لے لیا تو اس نے اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اجر ثابت ہوا اور گناہ باقی رہا۔ آپ سے پوچھا گیا یہ کیسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑکے کو تو ثواب ملے گا ہی لیکن اس کے باپ پر اس لئے گناہ رہا کہ اس نے مال کا حق ادا نہ کیا تھا۔ (روح البیان، پارہ ٤) (16)

**فائده:** اس سے پتا چلا کہ کونین کے والی نے جاہلیت کی رسم ایسی مٹائی کہ آج سچے مسلمان کو یتامیٰ کے مال پر ہاتھ صاف کرنا جہنم کے انگارے محسوس ہوتے ہیں۔ اکلِ مالِ یتیم (یتیموں کا مال کھانے) کی وعیدات سے قرآن و احادیث مبارکہ لبریز ہیں۔

---

(16) تفسیر روح البیان، پارہ ۴، سورۃ النسآء، آیت ۲، الجزء الثانی، الصفحۃ ۱۶۱، دار الفکر بیروت

**اپنی من مانی کرنا:** حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک زوجہ مسماۃ ام کحہ چھوڑی اور تین بیٹیاں۔ حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو شخصوں کو اپنے مال کا کارپرداز (سربراہ وانتظام کرنے والا) اور وصی بنا دیا تھا۔ انہوں نے حسبِ رواجِ جاہلیت کل مال اوس کے چچازاد بھائیوں سوید اور عرفطہ کو دے دیا اور زوجہ اور بیٹیاں روتی رہ گئیں۔ ایسے بے کس اور غریب مسلمانوں کا چارہ گر اور مددگار ذات بابرکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہو سکتا تھا؟۔ دوڑی گھبرائی ہوئی خدمت شریف میں حاضر ہوئیں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد فصیح میں رونق افروز تھے۔ عرض کیا کہ شوہر کے کارپردازوں نے نہ مجھ کو کچھ دیا نہ میری بیٹیوں کو۔ آپ کو یہ حالِ زار سن کر نہایت افسوس ہوا لیکن (جیسا آج کل بعض لوگوں نے سمجھ رکھا ہے اس طرح سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ نہ فرمایا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت سابقہ کتب میں مندرج تھی اس لئے احکم الحاکمین کے حکم کا انتظار فرمایا۔ آپ نے اوس کی زوجہ کو تسلی دے کر فرمایا اپنے مکان کو لوٹ جاؤ اور جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ ہو صبر کرو۔

(روح البیان، مع اضافہ اُویسی)[17]

ایک تھوڑے عرصہ بعد آیت ذیل نازل ہوئی

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ[18]

**دوسرا واقعہ:** اس قصے کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور ہنوز (ابھی تک) کوئی حصّہ خاص معین نہیں فرمایا گیا تھا کہ دوسرا واقعہ پیش آیا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبیلہ خزرج کے ایک جلیل القدر انصاری صحابی (شوال ۳ ہجری) میں اُحد کی مشہور لڑائی میں (۱۲ زخم) لگ کر شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے حسبِ دستورِ قدیم، کل مال پر قبضہ کر لیا اور دو بیٹیاں محروم رہ گئیں۔

مسلمانوں کا ماویٰ و ملجا اور بیکسوں کا فریادرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی تھا ہی نہیں۔ اِن کی زوجہ بھی لڑکیوں کو ہمراہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں فریاد کرنے آئیں اور عرض کیا: کہ یا حضرت میرے شوہر سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دو لڑکیاں ہیں۔ ان کے والد نے غزوہ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جان نثار کر دی اور جو کچھ ان کا ترکہ اور مال تھا، وہ سب ان لڑکیوں کے چچا نے لے لیا اور ان کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ اب ان کے نکاح کی فکر ہے اور جب تک کسی قدر مال نہ ہو، عزّت کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا کیا علاج کریں۔؟ آپ نے اس کے تصفیہ کو بھی خدا تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں ملتوی رکھا اور سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ کو یہ ارشاد فرما کر رخصت کر دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دے گا۔

یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ میراث میں عورتوں کا بھی حق ہے صرف حصّہ اور حقدار معیّن ہونے کا انتظار تھا۔ "اَلاِنتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ المَوتِ"[19] ہوتا ہے اور "صَاحِبُ الغَرضِ مَجنُونٌ" مشہور ہے۔ سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ کچھ عرصہ تک صبر کرنے کے بعد

---

(17) روح البیان، پارہ ۴، سورۃ النساء، آیت ۷، الجزء الرابع، الصفحۃ ۱۶۸، دار الفکر بیروت
تفسیر ابی السعود پارہ ۴ سورۃ النساء، آیت ۷، الجزء الاول، الصفحۃ ۶۵۱، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ بالریاض
تفسیر الکشّاف، پارہ ۴ سورۃ النساء، آیت ۷، الجزء الثانی، الصفحۃ ۲۸، مکتبۃ العبیکان الریاض

(18) ترجمۂ کنز الایمان: مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے [پ ۴ سورۃ النساء آیت ۷]

پھر روتی ہوئی خدمتِ مبارک میں آئیں۔ان کا رونا رحمت الٰہی کے لئے بہانہ بن گیا اور میراث کا سب سے آخری اور قطعی صاف اور مشرح حکم (واضح حکم) "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ * لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ [20] آخر کو نازل ہو گیا جس میں زوجہ اور بیٹیوں کا حصہ بھی مقرر فرما دیا گیا اور تمام وارثوں کے نہایت وضاحت سے یقینی اور قطعی حصّے مقرّر فرما دیئے گئے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

## تقسیم نبوی:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل میں سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی کے مال میں سے دوثُلث (دو تہائی) لڑکیوں کو دے دو اور آٹھواں حصّہ ان کی والدہ کو اور جو کچھ باقی رہے وہ تمہارا ہے۔

اسلام کے اس پُر حکمت اور سب سے آخری قاعدۂ میراث کے مطابق جو سب سے پہلی میراث تقسیم ہوئی ہے وہ یہی سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میراث تھی۔

اس کے بعد آپ نے اَوس کے مال میں سے بھی دو حصّے تین بیٹیوں کو اور آٹھوں حصّہ زوجہ کو اور باقی چچازاد بھائیوں کو دلوادیا اور اِسی قاعدہ پر عملدرآمد شروع ہو گیا۔

اب میراث کی اصلاح کامل ہو گئی اور کسی ناگواری کے بغیر عورتوں کا حق ثابت ہو کر نصف حصّہ مقرر ہو گیا۔یہ وہ حکم تھا جس نے عورتوں کی حالت کو بالکل بدل دیا اور اس انسانی فرقے میں جسے اہل عالم نے غیر ذی روح کے درجے میں ڈال رکھا تھا،اس اسلامی حکم نے تازہ روح پھونک دی جیسا کہ دیگر اَحکامِ قرآن نے اس مسکین اور قابل قدر جماعت کو خاص عزّت ووُقعت دی ہے،ورنہ اہلِ دنیا خصوصاً اہلِ عرب نے ان کو صرف ذریعہ نسل اور سامانِ نشاط سمجھ رکھا تھا۔زمانہ جاہلیت میں اول تو کسی کو کبھی عورتوں کو میراث دینے کا خیال ہی نہ آیا۔

اگرچہ دورِ جاہلیت میں عرب کے ایک عاقل اور مُصلح شخص عامر بن جعشم کو خیال آیا تو اس نے عورتوں کو مردوں کے برابر کر کے پورا حصہ کر دیا، جس پر چند روز ان کے پیرو اور تابع لوگوں نے عمل کیا اور پھر یہ قاعدہ بالکل متروک اور نسیًا منسیًا [21] ہو گیا۔

**گزارش اُویسی غُفِرَلَه:** غور فرمایئے کہ عرب کے کتنے بڑے دانشور اور بلند قدر لوگوں نے کیسے ہی قیمتی اصول تیار کر کے عوام کی فلاح و بہبودی کے کارنامے سرانجام دیئے چونکہ اصول انسانوں کے تیار کردہ ہوتے ہیں اسی لئے جلد تریا دیر بالآخر مٹ کر رہ جاتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اصول وحی ربّانی ہوتے ہیں اسی لئے دائمی اور اَنمٹ (نہ مٹنے والے) ہوتے ہیں۔

منجملہ ان کے عورت کی میراث کا حکم مذکور جب رسول خدا نے سنا تو اوس (قبیلہ) کے لوگوں کو کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حق بھی میراث میں مقرر فرمادیا ہے لیکن ابھی تک مقدار اور حصہ مقرر نہیں فرمایا لٰہذا تم اَوس کے مال کو بجنسہٖ حفاظت سے رکھنا ایک حِبَّہ (دانہ) خرچ نہ کرنا ،عنقریب کوئی حکم نازل ہو جائے گا۔چنانچہ بعد کو ان کا حصّہ صراحتاً مقرّر ہو گیا جس پر تاقیامت عورتوں ودیگر صاحبانِ میراث کے بارے میں کسی قسم کی خلش (جھگڑا، رنجش) باقی نہ رہی۔

---

(19) کسی کا اِنتظار کرنا موت سے بھی زیادہ سخت اور بھاری ہوتا ہے۔

(20) ترجمہ کنزالایمان: اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر،

(21) ذہن سے اُترا ہوا، بھولا ہوا، فراموش شدہ۔

## احسان فراموش خواتینِ اسلام

اس پر وہ مسلمان خواتین غور فرمائیں جو مغربی تہذیب سے متاثِّر ہو کر اِسلام سے بد ظنّی کا مُظاہر ہ کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ "اسلام نے عورت کے حقوق میں تنگی اور بُخل سے کام لیا ہے (معاذ اللہ)۔ اسلام کے صرف مسئلۂ میراث کے مُفصَّل اور ہر گوشہ پر انصاف سے دیکھیں تو انہیں اِسلام کے اِحسانات پر یقین ہو گا اور اگر دل میں خوفِ خدا ہے، تو اسلام سے نہ صرف وابستگی نصیب ہو گی بلکہ قلبی وارَفتگی (دلی لگاؤ) حاصل ہو گی۔

**نوٹ:** ممکن ہے بعض خواتین کے ذہن کو عقل مجبور کرے کہ عورت کی میراث میں حصّہ کم کیوں؟ فقیر اس کا اِزالہ بھی کر دے۔

**سوال:** ظاہر ہے کہ عورت چونکہ خود مال حاصل کرنے سے عاجز ہے لہٰذا وہ زیادہ قابل رحم اور مستحقِ مال ہے۔ تجارت و زراعت مردوں کی طرح نہیں کر سکتی نیز شوہر کی خدمت اور بچوں کی پرورش میں مصروف رہتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ خِلقۃً (پیدائش کے لحاظ سے) ضعیف و کمزور ہے اور پھر حمل کی گرانی، پیدائش کی تکلیف، دودھ پلانے کی محنت اس کو بالکل ہی ناتواں بنا دیتی ہے نیز بوجہ ناقصۃ العقل ہونے کے، وہ اکثر فریب کھاتی ہے اور مال ضائع ہو جاتا ہے۔ ان امور کے لحاظ سے عورتوں کو مردوں سے زیادہ حصہ دیا جانا مناسب تھا ورنہ کم از کم برابر تو ضرور دیا جاتا یہ کیسا انصاف ہے کہ نصف کر دیا گیا۔؟

### جواب نمبر ۱:

عورتوں کو خرچ کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے عام حالت یہ ہے کہ نہ اپنا ضروری خرچ ان کے ذمہ ہوتا ہے اور نہ اولاد کا بلکہ شادی ہونے تک ماں باپ ان کی پرورش کرتے ہیں اور نکاح کے بعد ان کا تمام خرچ شوہر کے ذِمّے واجِب ہو جاتا ہے اور پھر شوہر سے علاوہ میراث کے، مہر کی بھی مستحق ہیں اور ہر قسم کے زائد اخراجات سے آزاد ہیں۔ اس حالت میں تو نصف حصّہ بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے بخلاف مرد کے کہ خود اپنے اور اولاد، زوجہ کے تمام مصارف اس کے متعلق ہوتے ہیں۔ اولاد کی پرورش کے مصارِف، ان کی تعلیم کے اخراجات سب وہی دیتا ہے۔ شادی نکاح وغیرہ کے بڑے بڑے اخراجات کا بوجھ وہی اُٹھاتا ہے۔ شادی غمی اور تقریبات کا وہی مُتکَفِّل (کفالت کرنے والا) ہوتا ہے، مہمانوں کی میز بانی کرتا ہے، عام صورتوں میں خیرات اور چندہ بھی اِسی سے طلب کیا جاتا ہے۔ جتنی بیویوں سے نکاح کرے، اُن کا مہر اس کے سرپر ہوتا ہے۔ معاملات رکھنے اور ملنے ملانے کی وجہ سے کبھی کبھی تاوان و نقصان بھی اِسی کے سر پڑتے ہیں۔ مکان و دوکان، لباس و پوشاک، جس قدر دنیا کے اَخراجات ہیں سب اِسی کے اوپر ہیں بخلاف عورت کے کہ کوئی بھی خرچ اس کے ذمے نہیں۔ چنانچہ یہ امر کسی سے مخفی نہیں خُصوصاً اِس زمانہ میں پوری طرح اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں عورتوں کو مردوں سے نصف حصّہ ملنے کو اگر کوئی شخص زیادہ سمجھ لے، تو چنداں تعجب نہیں۔ نصف حصے کو خلافِ انصاف سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

### جواب نمبر ۲:

عورت کم عقل ہے اگر زیادہ مال ہو گا تو زیادہ ضائع کرے گی اور اس کے لئے کثرتِ مال باعثِ وبال ہو جائے گا اور طرح طرح کے فساد کرے گی۔ اس لئے کم مال دِلا کر فساد سے بھی بچا لیا اور مستحق و حقدار قرار دے کر محرومی اور ناقدری سے نجات بخشی۔

**لطیفہ:** بعض تفاسیر میں لکھا ہے عورتوں کو مردوں سے آدھا حصّہ ملنے کی ایک واعظانہ وجہ یہ ہے کہ حوا علیہا السلام نے گندم کے تین حصے کر کے ایک کھالیا اور ایک چھپا کر اپنے لئے رکھ دیا اور ایک آدم علیہ السلام کو کھانے کے لئے دیا گویا اپنا دو چند حصہ لیا۔ منجانب اللہ اس کی یہ بدلہ دیا گیا کہ ان کی تمام بیٹیوں کا حصّہ نِصف کر دیا گیا اور مردوں کا دو گُنا جیسا کہ قرآن میں ہے۔

**ازالہ وھم:** بعض لوگ فقیر کے اس لطیفہ کو ممکن ہے صرف لطیفہ تصوّر فرمائیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ بعض اُمور مَورُوثی (22) طور پر تا قیامت جاری رکھتا ہے بعض ان میں اچھے ہوتے ہیں تو وارثین کو اس کا اثر نیک حاصل ہوتا ہے اگر بُرے ہوتے ہیں تو بُرائی کے اثرات ورثہ میں باقی رہتے ہیں۔ بعض امور کو فقیر نے پہلی تصانیف "باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب" اور "گستاخوں کا برا انجام" (دو جلد) میں عرض کر دیا ہے۔

**جبراً وارث بن جانا:** "روح البیان" میں ہے کہ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار فوت ہو جاتا تو وہ اپنا کپڑا اُس عورت یا اس کی (رہائش کے) خیمے پر ڈال دیتا اور کہتا کہ "اب سے میں اس عورت کا وارث ہوں جیسے اس کے مال کا وارث ہوں"۔ اس لحاظ سے باقی حصّہ داروں سے اِسے زیادہ حقدار سمجھا جاتا اور اگر چاہتا تو اُسے (یعنی عورت کو) ویسے ہی گھر میں مُقیّد کر کے ذلیل و خُوار کرتا، یہاں تک کہ وہ عورت اپنی جان چھڑانے کے لئے چند ٹکے اس کے حوالے کر دینے پر مجبور ہوتی تا کہ وہ شخص اپنی وراثت کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر وہ عورت اس شخص کے کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی خود بخود شوہر کے گھر سے نکل کھڑی ہوتی تو پھر وہ اپنی آپ مالک ہوتی۔ اس بُری رسم سے اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا اور فرمایا کہ "تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم انہیں اپنی وراثت سمجھ کر اپنے قبضے میں لے لو جیسا کہ تمہارا خیال ہے"۔

**فائدہ:** دیکھا! یہ من مانی وراثت کس قدر غلط اور فاسد تھی بالخصوص نازک صِنف کے لئے کہ جس کا آخری سہارا اس کا اپنا شوہر ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اُٹھ جانے کے بعد عورت پر کیا گزرتی ہے جبکہ اس کے ساتھ یتیم بچے بھی ہوں اور خویش و اقارب میں سے کوئی ایک معمولی حرکت (جس کا اوپر ذکر ہوا) سے اس کی جائیداد بلکہ عورت کا وارث بن جائے پھر وہ کھلے بندوں جس طرح صنفِ نازک پر ظلم کرے لیکن اسلام نے ایسے ظالموں کے لئے ایسے مضبوط بند باندھے ہیں کہ کوئی بڑا موذی، ظالم انہیں توڑنا تو بڑی بات ہے انہیں پھلانگنا بھی ان کے لئے موت کے مترادف ہے۔

## صنفِ نازک سے گزارش:

وہ خواتین جو تہذیبِ فرنگ کی مدّاح (تعریف کرنے والی) ہیں اور اسلام سے دانستہ (جانتے ہوئے) یا نادانستہ (ناجانتے ہوئے) شاکی (شکایت کرتی) ہیں۔ غور فرمائیں کہ اگر اسلام تمہاری امداد نہ کرتا تم کیسی ذلت و خواری سے زندگی بسر کرتیں۔ نہ صرف میراث بلکہ اسلام نے ہر شعبۂ زندگی میں صنفِ نازک کی آسانیوں کا حکم فرمایا ہے بلکہ ان کے لئے ترقی و عروج کے اسباب بنائے ہیں۔ الحمد للہ جو خوش قسمت خواتین اِن پر عمل پیرا ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی شان اتنی بلند و بالا فرمائی کہ کعبہ مکرمہ ان کے طواف کو فخر محسوس کرتا ہے۔ تفصیل دیکھئے فقیر کے رسالہ "القول الجلی فی ان الکعبة تذھب الی زیارة الولی" میں اور دوسرا مختصر رسالہ "طوافِ کعبہ گرد اولیاء" اور خواتین پر اسلام کے احسانات کی تفصیل فقیر کا رسالہ پڑھئے "شادی خانہ آبادی" وغیرہ۔

---

(22) باپ دادا کا، جدّی پُشتی۔

## انبیاءعظام علی نبیناوعلیھم الصلوۃ والسلام کی وراثت:

حضرتِ انبیاء علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وراثت کی تحقیق سے ایک طرف مسئلۂ فِدک[23] حل ہوگا۔ دوسرا اہلِ سُنّت کے مذہب کی بھر پور تائید ہوگی کہ "وراثت مردہ کی تقسیم ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام زندہ بحیاۃ حقیقی ہیں"۔ تیسرا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مثلیت[24] کے دم بھرنے والوں کے منہ پر طمانچہ کہ اُن (انبیاء علیہم السلام) کی امتیازی شان ہوتی ہے۔

فقیر سب سے پہلے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں عرض کرتا ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مجھ کو دنیا سے بس ایسا ہی تعلق ہے جیسے ایک سوار تھوڑی دیر درخت کے سایہ میں ٹھہرے اور چل دے"[25] اور فرمایا کہ "دنیا میں ایسا بسر کرو جیسے کوئی مسافر کسی جگہ ٹھہر جائے یا راستہ پر چلا جاتا ہو"[26]۔

لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلامکو اس سامانِ دنیا سے کچھ بھی دلچسپی نہ ہوتی تھی نہ زندگی میں یہ حسرت تھی کہ ہمارے اَقرباء[27] کا متروکہ مال ہم کو دیا جائے اور نہ بوقتِ وفات اپنے سامان کے چھوٹنے کا کچھ قلق (غم و پچھتاوا) وافسوس ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کو ضرورت نہ ہوتی کہ مال ان کے وارثوں پر تقسیم کیا جائے۔

اِس لئے قانونِ الٰہی میں نہ انبیاء علیہم السلام کا پس ماندہ (پیچھے رہا ہوا یا بچا ہوا) مختصر اسباب و ترکہ تقسیم ہو کر ان کے وارِثوں کو پہنچتا ہے اور نہ ان کو اپنے اَقرباء کی میراث سے حصہ ملتا ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء علیہم السلام کا یہ حال بایں الفاظ ظاہر فرمایا:

إِنَّا مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً[28]

ترجمہ: ہم نبیوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں اس کا حکم صدقہ کے مانند ہے۔

یعنی اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے ایسے امور میں صَرف کیا جائے جس سے عام مسلمانوں کو نفع پہنچے اور خاص اپنی نسبت یہ ارشاد فرمایا:

لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا ، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَئُونَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ[29]

---

(23) شیعہ حضرات اس باغ کو لے کر بہت عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور اصحابِ رسول پر معاذاللہ طعن و تشنیع کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔

(24) انبیاء علیہم السلام کی طرح اوران کے جیسے ہونے کا عقیدہ دیوبندی و وہابی رکھتے ہیں۔

(25) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ نَامَ رَسُوْلُ اللَّهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَصِيرٍ فَقَامَ وَقَدْ أَثَّرَ فِي جَنْبِهِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللَّهِ لَوِ اتَّخَذْنَا لَكَ وِطَاءً. فَقَالَ: مَا لِي وَمَا لِلدُّنْيَا مَا أَنَا فِي الدُّنْيَا إِلاَّ كَرَاكِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا. قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(سنن الترمذی کتابُ الزُّہد، باب ۴۴، حدیث ۲۳۷۷، الصفحۃ ۵۳۵، مکتبۃ المعارف الریاض)

حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر سوئے پھر اٹھے اس حالت میں کہ چٹائی نے آپ کے جسم اطہر میں اثر کیا ہوا تھا، تب ابن مسعود نے عرض کیا یارسول اللہ ہم کو آپ اجازت دے دیتے کہ ہم حضور کے لیے بستر بچھادیا کرتے اور سب انتظامات کر دیتے، تو فرمایا: مجھے دنیا سے کیا تعلق میں اور دنیا نہیں ہیں مگر اس سوار کی طرح جو ایک درخت کے نیچے سایہ لے پھر چلا جائے اور درخت کو چھوڑ جائے۔ امام ترمذی علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اس باب میں حضرت عمرو ابن عباس سے بھی روایت کی گئی ہے، اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(26) صحیح البخاری، کتابُ الرِّقاق، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم "كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ، أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ" رقم الحديث ۶۴۱۶، الصفحۃ ۱۵۹۹، دار ابن كثير دمشق بيروت

(27) قریب کی جمع، قریب کے رشتہ دار۔

(28) المنتقى شرح الموطأ، كتاب الجامع، ما جاء في تركة النبي صلى الله عليه وسلم، الجزء السابع، الصفحة ۳۱۷، دار الكتاب الاسلامي بيروت

(29) صحیح البخاری، کتابُ الوصايا، باب نَفَقَةِ الْقَيِّمِ لِلْوَقْفِ، رقم الحديث ۲۷۷۶، الصفحة ۶۸۷، دار ابن كثير دمشق بيروت

ترجمہ: میرے وارث کو ایک دینار و درہم بھی تقسیم نہ کریں گے، میرے بعد جو کچھ میری عورتوں کے ضروری خرچ اور جائیداد کے کارکن کی اجرت کے بعد باقی رہے وہ صدقہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت میں اسی اِرشاد پر عمل ہوا، جو درہم و دینار آپ نے چھوڑا، کسی نے تقسیم نہ کیا(اور) آپ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی۔ اس کو اہلِ سُنّت علمِ غیب سے تعبیر کرتے ہیں کہ زمین اور درخت تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مُطہّرات نے اس کو تقسیم کرانے کا ارادہ کیا تھا اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے تقسیم ہونے اور میراث میں دیئے جانے کی درخواست بھی فرما دی تھی لیکن جب ان بزرگ بیبیوں کو خود حضرت سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد اِس کی نسبت معلوم ہو گیا تو کسی نے پھر اس کا خیال نہیں کیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو پھر تمام عمر اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔

زمین کی پیداوار میں سے آپ کے ارشاد کے موافق آپ کی ازواجِ مُطہّرات کا نفقہ دینے کے بعد جو کچھ باقی رہتا، وہ رفاہِ عام کے کاموں اور جہاد وغیرہ کے ساز و سامان میں صرف ہوتا رہا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب، نواسوں وغیرہ کو بیش قرار وظیفوں اور بڑی بڑی مال غنیمت وغیرہ سے (اموال) ملتے رہے۔ حضرت ابو بکر و عمر کے بعد حضرت عثمان اور حضرت حسن کی خلافت میں بھی اسی پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

## تحقیق مزید:

چونکہ باغِ فدک شیعہ سُنّی نزاع میں ایک معرکۃ الآراء (جنگ آور) مسئلہ ہے، اس پر ٹھوس اور مضبوط دلائل کی ضرورت ہے اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "باغِ فدک" خوب ہے۔ اس سے چند ضروری باتیں عرض کر دوں تاکہ رسالہ ہذا کا موضوع تشنۂ تکمیل نہ ہو۔

شیعہ باغِ فدک میں مختلف دلائل پیش کرتے ہیں سب سے زیادہ مضبوط اُن کی دلیل وراثت ہے۔ فقیر اس کی تردید عرض کرتا ہے۔

**وراثت کی تردید عقلی:** جب وراثت کا اجراء عقلی حیثیت سے بھی صحیح نہیں تو اب شیعہ کس منہ سے فدک کے مسئلہ کو محلِّ نزاع بناتے ہیں؟ صرف اسی لئے کہ اسلام کا شیرازہ بکھرے، ورنہ اس کے سوا اور کوئی صحیح امر سامنے نہیں۔

**پردۂ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا):** شیعہ کو تو یہ مسئلہ کھڑا بھی نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ جسے بھی بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی پردہ کی حفاظت کا علم ہے وہ کبھی ماننے کے لئے تیار نہ ہو گا کہ ایسی پردہ کی محافظ بی بی عدالتِ صدّیقی میں کیوں چلی گئی؟۔ شیعوں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہتان تراشی کے وقت یہ بھی نہ سمجھا کہ اس سے تو الٹا بی بی کی ہتک ہے کہ شہنشاہِ کونین کی شہزادی اور کچہری!!!

یہ تو ہماری بہو بیٹی بھی اتنی جُرات نہیں کر سکتی اور وہ بھی چند کھجوروں کی خاطر! جب کہ بقول شیعہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بہت سی جائیداد ملکیتی پہلے بھی موجود تھی۔ کیا یہ افسانہ کھڑا کر کے دشمنانِ اسلام کو اہلِ بیت کی دشمنی کا ہتھیار تو سپلائی نہیں کر رہے؟ جو کہ مخالفین اسلام کہہ سکتے ہیں۔

(۱) اہلِ بیت جاہ و مال کے بھوکے تھے؟۔ (معاذ اللہ)

(۲) اہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ کی ظاہری زندگی میں تو خاموش رہے لیکن بعد کو ان پر غیرت مالِ غالب آ گئی؟۔ (معاذ اللہ)

(۳) حضور اکرم ﷺ کے بعد دنیا کی خواہش میں نفسانیّت کا شکار ہو گئے؟۔ (معاذ اللہ)

**فِدک کی علمی تحقیق:** اتنی بات صحیح ہے کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے فدک مانگا تھا اور سیّدنا صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے جواب میں رسولِ کریم کی حدیث سنائی تھی لیکن سیّدہ کا ناراض ہونا یا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بد دعا کرنا یا اپنی نمازِ جنازہ میں شرکت سے منع فرمانا وغیرہ وغیرہ یہ تمام باتیں شیعہ کی تیار کردہ ہیں۔ جناب سیّدہ کا اپنی زبان سے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت فرمانا اہلِ بیت کی کسی بھی روایت سے ثابت نہیں۔

**قاعدۂ مناظرہ:** تمام بدمذاہب شیعہ سمیت اپنی من مانی کرتے ہیں۔ فقیر اُویسی کا تجربہ ہے کہ ان کی زبانی کہانی کی بجائے، اِن سے اصل عبارت کا سوال کیا جائے۔ اوّلاً تو بفضلِ خدا حوالہ غلط ہوگا، اگر کچھ ہوگا تو ملے گا نہیں، اگر مل جائے تو حوالہ دینے والے سے پڑھائیں اور اس سے ترجمہ کرائیں بفضلہٖ تعالیٰ اسے عبارت صحیح پڑھنے کی صلاحیت نہ ہوگی، ہزاروں غلطیاں کھائے گا، ان وجوہ کو یاد رکھا گیا تو دیکھ لینا مخالف میدان چھوڑ کر بھاگتا نظر آئے گا۔ (ان شآء اللہ تعالیٰ)

## اصل حدیثِ فِدک:

جس حدیث سے شیعہ نے طوفان بپا کیا ہے وہ پڑھ لیجئے۔ بخاری کی روایت میں اس کی تصریح یوں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا : أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِىَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا أَرْسَلَتْ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيْرَاثَهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

**ترجمہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور حضورِ اکرم کی میراث کا مطالبہ کیا۔

اس کی تصریح کے بعد وہ بعض دوسرے مقامات پر جہاں مطالبہ کرنے کی نسبت خود حضرت سیّدہ کی طرف کی گئی ہے وہ مجاز ہوگا۔ جب حضرت سیّدہ کا پیغام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا تو آپ نے جواب دیا وہ بھی امام بخاری علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں سن لیجئے:

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ "لَا نُوْرَثُ ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ هَذَا الْمَالِ....... " وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ ثُمَّ قَالَ إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَضِيلَتَكَ . وَذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَحَقَّهُمْ . فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ وَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ . لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللّٰه أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي (بخاری شریف، جلد ۱، صفحہ ۵۲۶)(30)

یعنی حضرت سیّدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

---

(30) صحیح البخاری ، فضائل الصحابة ، باب مَنَاقِبُ قَرَابَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ، رقم الحدیث ۳۷۱۲ ، الصفحة ۹۱۵ ، دار ابن کثیر دمشق بیروت

"اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا مال وراثت نہیں ہوتی، جو مال ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور آل محمد ﷺ و رضی اللہ عنہم اس مال سے کھا سکتے ہیں۔"

(ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہنے کہا) بخدا! میں حضور ﷺ کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، جس طرح وہ عہد نبوت میں تھے ویسے ہی رہیں گے اور میں ان میں ایسا ہی کروں گا جس طرح ان میں رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔

سیدنا علیّ المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِن اسباب کی تصدیق کی اور فرمایا: اے ابو بکر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہم آپ کی فضیلت و بزرگی کو جانتے ہیں۔ پھر آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس رشتہ داری کا ذکر کیا جو انہیں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھی اور ان کے حق کا ذکر کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: کہ اس ذات پاک کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے کہیں زیادہ مجھے یہ محبوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے رشتہ داروں سے ساتھ حسن سلوک کروں۔ (محترم قارئین! اس صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقیدت کو نہ بھولنا)

قارئین کرام! سوچئے کہ اس جواب میں کوئی قابلِ اعتراض بات ہے۔؟؟؟ بے ادبی کا شائبہ بھی اِس میں پایا جاتا ہے۔؟ کیا اِس سے اَہلِ بیت کی حق تلفی کی نیّت کا گمان ہو سکتا ہے۔؟

ہر گز نہیں بلکہ آپ نے حضرت بتول جنت رضی اللہ عنہا کی خدمت میں یہ عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول آپ کے ابا جان اور میرے آقا و مولا ﷺ کا ارشادِ گرامی یہ ہے اور مجھ میں یہ تاب نہیں کہ میں ارشاداتِ نبوی سے سرِ مو انحراف[31] کر سکوں۔ آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ اس جواب میں کون سا جملہ یا لفظ قابلِ اعتراض ہے؟

**اھل تشیع نے مان لیا:** حدیث مذکورنہ صرف اہل سنت کی کتابوں میں ہے بلکہ اہل تشیع کی کتابوں میں بھی ہے۔ "اصول کافی باب العلم صفحہ ۱۷" میں ہے:

عن ابی عبداللہ قال ان العلماء ورثۃ الأنبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذ منہ أخذ بحظ وافر[32]

یعنی ابی عبداللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ اپنی احادیث چھوڑ دیتے ہیں پس جس شخص نے یہ میراث (احادیث الانبیاء) پائی اس کو وافر حصہ ملا۔

**فائدہ:** اس حدیث میں مُدَلّل طور پر بیان کیا گیا ہے انبیاء مال دنیا کی میراث ہر گز نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی میراث علم و حکمت ہوتی ہے جس کو یہ میراث ملی وہی کامیاب ہوا۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الأنبیاء و ذاک ان الأنبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما أورثوا أحادیث من أحادیثھم فمن أخذ بشئ منھا فقد أخذ حظّاً وافراً۔[33]

---

(31) معمولی سا بھی اس سے پیچھے ہٹوں یارو گردانی کروں۔

(32) (أصول الکافی، کتاب فضل العلم، باب ثواب العالم والمتعلم، 83/1، دار التعارف للمطبوعات بیروت، لبنان)

(33) (أصول الکافی، کتاب فضل العلم، باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء، 80/1، دار التعارف للمطبوعات بیروت، لبنان)

یعنی امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ علماءِ دین انبیاءِ کرام کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء کرام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا انہوں نے تو صرف شریعت کی باتوں کا وارث بنایا تو جس نے ان دین کی باتوں کو حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا۔

**تبصرہ اُویسی غفرلہٗ:** وہ روایت جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش کی وہی روایت کُتب شیعہ میں بھی موجود ہے بلکہ یہ ہماری اہل سنت کی روایت سے بڑھ کر ہے وہ یوں کہ:

حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیعہ فرقہ کو سمجھایا کہ انبیاء علیہم السلام مال جائیداد کے بجائے علمی دولت اور شریعت کے خزانے کے مالک ہوتے ہیں۔ پھر شدید تاکیدیوں کی کہ لفظ "اِنَّمَا" کے ساتھ بتایا اور یہ لفظ حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی وراثت صرف اور صرف علم اور شریعت ہے اور بس، جو اس کے علاوہ مالی جائیداد کا قائل بنتا ہے وہ جاہل ہے اور بے وقوف ہے۔

**شیعہ کے سوال کا جواب:** ہماری اس تقریر سے شیعہ کا وہ سوال بھی اُٹھ گیا جو کہتے ہیں کہ "ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو ایک فریقِ مخالف کی طرح تھا تو پھر حدیث پیش کر کے اپنے ذمہ الزام سے کس طرح بری ہو گئے؟" ہم نے مذکورہ بالا ایسی دو روایتیں پیش کی ہیں جو آئمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت کردہ ہیں۔

لہٰذا حدیث زیرِ بحث کو یہ کہہ کر نظر انداز کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ یہ تو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے۔

یہ بھی غلط ہے کہ اس حدیث کے راوی صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کیونکہ اس حدیث کو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً علی المرتضیٰ، فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت عباس، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، ابو درداء، حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے جلیل اُلقدر صحابہ نے روایت کیا ہے، نیز حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ میں اس حدیث کو پیش کر کے اور قسم دے کر اس کی تصدیق کرائی ہے۔ ان میں حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ ہیں جن کے متعلق ملا عبداللہ مشہدی شیعی نے "اظہار الحق" میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ: مَاحَدَّثَکُم بِہٖ حُذَیفَۃُ فَصَدِّقُوہُ (34)

یعنی حذیفہ تم سے جو حدیث بیان کرے اس کو تسلیم کر لو۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کوئی شخصیت شیعوں کے نزدیک اور کون ہو سکتی ہے جن کو شیعہ معصوم جانتے ہیں غرضیکہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت روایت کر رہی ہے حالانکہ ان میں سے صرف ایک کا روایت کرنا مفیدِ یقین ہے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ حدیث کتبِ صحاح شیعہ میں موجود ہے ایسی صورت میں حدیثِ ہذا کی صحت میں کوئی شک ہی نہیں رہتا۔

**قاعدۂ تحقیقیہ:** قرآن جو کلامِ الٰہی ہے وہ بھی حضور اکرم کے منہ مبارک سے نکلا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے براہِ راست سنا، ان کے لئے کسی دوسرے کی تصدیق کی ضرورت نہیں (کیونکہ) اِن کے لئے وہ سنا ہوا دوسروں کے تواتُر سے سننا زیادہ قوی ہے۔ یونہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حدیثِ عدمِ وراثت کا سننا دوسروں کے تواتر کے سننے سے قوی تر ہے، پھر ان کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصدیق مزید قوت بخشتی ہے۔

---

(34) (نفحات الأزهار في خلاصة عبقات الأنوار، 25/5، دار المؤرخ العربي، 1995م)

اس کے بعد خود کتبِ شیعہ کی صحیح تراز صحاح اربعہ یعنی "اصول کافی" (کتاب) کی روایت مزید تقویت پہنچارہی ہے پھر ہم نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حدیثِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نصّ قطعی[35] کی طرح ہے لیکن شیعہ قرآن جیسی سچی کتاب کے منکر ہیں تو پھر حدیثِ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ مانیں تو وہ مجبور ہیں۔ مزید تحقیق کے لئے فقیر کے رسالہ "باغِ فدک" کا مطالعہ کیجئے۔

**وراثت انبیاء پر اعتراضات کے جوابات:** انبیاء علیہم السلام کی میراث وارثوں پر تقسیم نہ ہونے میں ایک یہ بھی مصلحت تھی کہ انبیاء چونکہ بحیثیتِ نبوّت و بلحاظِ ہدایت تمام امّت کے روحانی باپ ہوتے ہیں اور سب کے ساتھ یکساں علاقہ اور ان پر مساوی شفقت رکھتے ہیں لہٰذا ان کے پسماندہ مال و ترکہ کو صدقۂ عامہ قرار دیا گیا، جو بلا اعتبار حُرّ و عبد[36] اور بغیر فرقِ صالح و فاسق اور بدون لحاظ قریب و بعید، عام مسلمانوں کے مصالح میں خرچ ہو اور سب کے کام آوے، کیونکہ ذرّہ ذرّہ تقسیم کرنا دُشوار ہوتا اور اگر خاص جماعتِ اقرباء کو میراث پہنچتی تو اس کے ساتھ علاقہ خاص کا اظہار ہو کر دیگر امتیوں کے لئے ایک طرح دل شکنی کا باعث ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس[37] اگر اقرباء کی میراث انبیاء کو دلوائی جاتی تو وہی علاقہ خاص ثابت ہوتا جو شفقت عامہ کے بظاہر مخالف تھا نیز چونکہ انبیاء علیہم السّلام احکام خداوندی کو بِلا کسی غرض کے پہنچانے والے اور ناصِح، مُشفِق ہوتے تھے اور بآواز بلند کہتے تھے کہ ہم اپنی نصیحت وابلاغ و خیر خواہی کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے، ہم تم سے مال طلب نہیں کرتے۔ اب اگر وہ کسی وارث کی میراث میں سے حصہ مانگتے تو دشمنوں کو کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھئے اپنی اُمّت سے مال حاصل کیا کیونکہ انبیاء علیہم السّلام کے اقرباء بھی تو ان کی اُمّت میں داخل ہوتے ہیں اور جب انبیاء علیہم السّلام کی میراث ان کے وارثوں کو پہنچتی تو مخالفین کو شُبہ ہونے کی گنجائش تھی کہ اپنے عزیزوں کے لئے مال جمع کر کے رکھ گئے۔ اس اِعتراض اور شُبہے کی جڑ کٹ گئی، نہ کسی سے مال لیتے ہیں، نہ دیتے ہیں۔ اور اگر بِالفرض لیں اور جمع بھی کریں تو اس سے ان کو کوئی ذاتی نفع نہ پہنچے بلکہ سب مسلمانوں کا حق ہو جائے۔

**فائدہ:** اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے مال میں میراث نہیں چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا ہے: "الانبیاء لایرثون"[38] بعض علماء کے نزدیک یہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ کی خصوصیّت ہے، چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے پس حضور اکرم ﷺ حکمِ میراث سے مخصوص و مستثنیٰ ہیں باجماعِ صحابہ واتفاقِ علماء لیکن صحیح تر اکثر علماء کا قول ہے کہ ان کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی اس کے متعلق علماء محققین نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کو چونکہ ایک اعلیٰ قسم کی حیات حقیقی حاصل ہے لہٰذا وہ عام لوگوں کی طرح مردہ شمار نہیں ہوتے اور اسی حیات کا اثر ہے کہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی اور اسی حیات کی تاثیر ہے کہ ان کے اجسام مبارک گلنے سڑنے سے محفوظ رکھے گئے۔

اور ہمارے حضرت رسول اکرم ﷺ کی حیات چونکہ سب سے زیادہ قوی اور روشن تھی اس لئے اس پر اس کے علاوہ اور بھی بعض ثمرات مرتب ہوئے مثلاً یہ کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح ثانی کرنا اسی طرح حرام رہا جیسا کہ آپ کی حیات میں حرام تھا اور

---

(35) قطعی ویقینی حکم، قرآن کی واضح اور صریح آیات

(36) آزاد و غلام کا اعتبار کیے بغیر

(37) اسی پر قیاس کرتے ہوئے۔

(38) لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يَرِثُونَ كَمَا أَنَّهُمْ لَا يُورَثُونَ

(نوٹ) حاشیہ سندی علی ابن ماجہ سے فقط یہ عبارت ملی ہے جو صدیق اکبر کی جانب منسوب نہیں ہے۔

ازواجِ مطہّرات کا نان و نفقہ بھی گویا آپ کے ذمہ واجب رہا،اس لئے آپ نے ازواج سے فرمادیا تھا کہ مجھے اپنی وفات کے بعد سب سے زیادہ تمہاری فکر ہے اور تمہارے ساتھ احسان و سلوک وہی کرے گا جو نہایت سعید ہوگا۔ایک یہ بھی مصلحت تھی کہ انبیاء علیہم السّلام کے وارثوں کو کبھی ان کی موت کی آرزو کا خیال اور وسوسہ بھی نہ آئے کیونکہ کبھی آدمی کے دل میں یہ خیال آجاتا ہے کہ اگر فلاں مورث مرجائے تو اس کا ترکہ اور مال مل جائے گو وہ اس خیال کو بہت جلد اپنے سینہ سے نکال دے یعنی بتقضائے بشریت ممکن تھا کہ کبھی انبیاء علیہم السّلام کے وارثوں کے دل میں بھی اس قسم کا خیال آکر ان کے لئے مضر اور باعث ہلاکت ہو۔پس اللہ تعالیٰ نے میراث میں ان کا کچھ حق ہی نہ رکھا اور اس خفیف نقصان کو برداشت کرا کر ایک بہت بڑے وبال سے بفضلِ خاص محفوظ کردیا۔

**سوال:** حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی: فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (39)

ترجمہ کنزالایمان: تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا دے ڈال جو میرا کام اٹھالے وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب کا وارث ہو

**فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السّلام کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ"(40)

ترجمہ کنزالایمان: اور سلیمان داؤد علیہما السلام کا جانشین ہوا۔

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السّلام کو ان کے عزیزوں کی میراث پہنچتی ہے کیونکہ داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں باپ بیٹے نبی تھے۔

**جواب ۱:** ان مواقع سے مال و اسباب کا وارث ہونا مراد نہیں بلکہ وہ علمی وراثت مراد ہے جو ایک سے دوسرے نبی کو پہنچتی ہے زکریا علیہ السلام کی بھی یہی دعا تھی کہ مجھ کو ایسی اولاد مرحمت ہو جس کو نبوت بھی عطا فرمائی جائے تاکہ حکمت ہائے ربانی اور علومِ خداوندی کو مجھ سے بطورِ میراث کے حاصل کرے اور میرے بعد لوگوں کو سنبھالے،اس کا قرینہ اسی جملہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ آل یعقوب کا بھی وارث بنے اگر دنیوی مال مراد ہو تو یہ عقلاً بھی غلط ہے کیونکہ آلِ یعقوب کا اب کون سا مال تھا جس کے وہ وارث بنتے؟

**جواب ۲:** ان آیات میں میراث کے مشہور و معروف معنی مراد نہیں بلکہ بعض جگہ صرف جانشین کرنا اور بعض جگہ دنیا اور کسی کی جگہ لینا مراد ہے لیکن یہ جانشینی اور دنیا لینا بطورِ میراث نہیں۔چنانچہ قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ دوسری جگہ بھی دینے لینے اور جانشین کرنے کے معنی موجود ہیں۔

**جواب ۳:** آیتِ داؤدی میں مالی میراث مراد لینا تو صراحتاً باطل ہے اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام کے صاحبزادہ صرف سلیمان علیہ السلام نہ تھے بلکہ اور بھی تھے لیکن نبوّت کے حامل صرف سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے وراثت میں ان کا نام لیا اور یہاں بھی قرینہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مضمون میں دونوں باپ بیٹے کی تعریف علم کی ہے: کَمَا قَالَ تَعَالٰی: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا (41)

ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے داؤد اور سلیمان کو بڑا علم عطا فرمایا۔

اور ظاہر ہے کہ علمی وراثت ہی قابلِ فخر چیز ہے نہ کہ مال و دولت۔

---

(39) پارہ ۱۶ سورۃ مریم آیت ۵،۶

(40) پارہ ۱۹ سورۃ النمل آیت ۱۶

(41) پارہ ۱۹ سورۃ النمل آیت ۱۵

**سوال:** حضور نبی پاک ﷺ کے والد ماجد کی لونڈی اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو میراث میں حاصل ہوئی تھیں جنہوں نے والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کا شرف حاصل کیا ہے اور جن کا نکاح آپ ﷺ نے اپنے مُتَبَنّٰی (منہ بولے بیٹے) زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا نیز آپ کو اپنی سب سے پہلی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مالِ کثیر میراث میں پہنچا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دوسروں کے مال سے میراث اور حصہ مل سکتا ہے۔

**جواب:** اُمِ ایمن چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ کی لونڈی تھیں اور ہمیشہ خدمت میں رہیں اس لئے سمجھا گیا کہ آپ کو میراث میں پہنچی تھیں، ورنہ فی الحقیقت وہ آپ کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد حضور اکرم ﷺ کے دادا جان اور والدہ صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حق اور حصہ ہو گئی تھیں۔ ان دونوں صاحبوں نے بوجہِ شفقت آپ کی خدمت میں رکھا اور گویا آپ کو دے دیا اور پھر آپ نے ان کو آزاد فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ قصّہ اُس زمانے کا ہے جب آپ کو ظاہری اعتبار سے باضابطہ نبوت و رسالت عطا نہیں ہوئی تھی (یعنی اعلان نبوّت واظہارِ نبوّت کا حکم نہیں ملا تھا) اس زمانہ میں اگر آپ کو میراث مل بھی جاتی تو کچھ تعجب نہ تھا کیونکہ بہت سے احکام و خصوصیات جو اعلانِ نبوّت کے بعد مل جاتے ہیں اعلانِ نبوت سے پہلے نہیں موجود ہوتے۔

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا مال واسباب زندگی ہی میں آپ کی نذر کر دیا تھا تاکہ لوگ فقیری اور مفلسی کا طعنہ نہ دے سکیں (سورۃ الضحیٰ میں اِسی کی طرف اشارہ ہے) حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد نہ کچھ ان کا ترکہ رہا، نہ آپ کو میراث میں پہنچا، جو کچھ تھا وہ ہمیشہ سے آپ ہی کا تھا۔

اس سے زائد لکھنے کو جی بہت چاہتا ہے لیکن "خَیْرُ الْکَلَامِ قَلَّ وَدَلَّ"(42) کے مطابق اِسی پر اِکتفاء کرتا ہوں۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

پاکستان۔

۲۲ شوال المکرام ۱۴۲۶ھ

☆------☆------☆

(42) بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور پُر دلیل (جامع) ہو۔